فہمیدہ ریاض کی شاعری: عورت کے حیاتیاتی وجود کا مکمل اظہاریہ

ڈاکٹر شہناز پروین*

Abstract:

Fehmida Riaz's poetry is the best example of the unique experience and the kind of feeling, which feminine sense is the name of. Her approach is up to all those feelings and emotions of woman, which can be felt only by her. In her poetry, there is found a clear sense of discrimination shown to woman and restrictions put on her desires. She has used her writings as a weapon to discover the hidden continents of woman's psyche and physical self. The woman in her poetry represents herself as a physical being instead of hesitating from her feminine self and biological needs. Fehmida Riaz opposes the belief against woman as propelled in a male dominant society for centuries and wishes that confidence, fidelity and status to be bestowed on woman as an individual, which she has always been denied of, in a male chauvinistic society.

خالدہ حسین کسی شاعرہ یا مصنفہ کے نسائی شعور کے بارے میں لکھتی ہیں کہ:۔

> ''نسائی حسیت کوئی فارمولا نہیں کہ سامنے رکھ کے وہ ادب تخلیق کر دے یہ تو اس کے زندگی کے منفرد تجربے اور طرزِ احساس کا نام ہے۔''(۱)

جہاں تک فہمیدہ ریاض (پ ۱۹۴۶ء) جیسی اہم شاعرہ کا تعلق ہے وہ اپنی نسائی حسیت کی بنا پر ایک منفرد حیثیت رکھتی ہیں۔ گویا ان کی رسائی عورت کے ان تمام جذبات اور احساسات تک ہے جنہیں صرف عورت ہی جانتی ہے، عورت ہی سمجھتی ہے اور عورت ہی محسوس کر سکتی ہے۔ فہمیدہ ریاض کا پہلا شعری مجموعہ 'پتھر کی زبان' کے نام سے ۱۹۶۷ء میں منظرِ عام پر آیا۔ رومانوی طرزِ احساس کی حامل شاعرہ کا یہ شعری مجموعہ 'ڈری سہمی لڑکی کی پہلی خاموش محبت' سے پھوٹنے والے مسحور کن احساس، ہجر اور وصال کی میٹھی چبھن رکھنے والی کسک کی کہانی، کسی کے انتظار میں برستی ہوئی آنکھوں کے تذکرے اور زمانے کے ڈر سے 'محبت' جیسی خوشبو کو پھیل جانے سے روکنے کی کوشش سے عبارت ہے۔

* شعبہ اُردو، ایف جی مارگلہ کالج، اسلام آباد

یہاں ہمیں رو پہلے سپنے دیکھتی اور اپنی نازک اور حسین سوچوں میں گھری خاموش اور تنہا آنگن اور کھڑی ایسی لڑکی نظر آتی ہے جس کی آنکھوں میں دھنک رنگ سجے ہوئے ہیں اور اس کی نظریں ہزاراَ چھوتے کنوارے سپنوں سے جگمگا رہی ہیں۔ نظم 'جھجک' میں لکھتی ہیں:۔

یہ میری سوچ کی انجان کنواری لڑکی
غیر کے سامنے کچھ کہنے سے شرماتی ہے
اپنی مبہم سی عبارت کے دوپٹے میں چھپی
سر جھکائے ہوئے کترا کے نکل جاتی ہے

(میں مٹی مورت ہوں، ص ۱۵)

'پتھر کی زبان' کی یہ شاعرہ ٹپ ٹپ برستی بوندوں، بے کل خواہشوں، ہر سمت چھائی ساون رتوں اور آم کے پیڑوں پر بیٹھی کوئل کی آوازوں سے اثر قبول کرتی ہوئی وہ تخلیق کار ہے جن کے ہاں کچی عمر کے سندر اور کومل جذبوں کی عکاسی کچھ یوں ملتی ہے:۔

کانچ کی چوڑی کے ٹکڑوں سے
دھیان میں بیٹھی کھیل رہی تھی
سمٹی سن کر نام تمہارا
آئی گرم حنا کی خوشبو

(نظم 'خوشبو'، ص ۲۸)

فہمیدہ کی اس دور کی شاعری میں ایک شرماتی ہوئی اور اپنی خواہشات کو چھپانے کی کوشش میں مصروف ایسی لڑکی دکھائی دیتی ہے جو اس سوسائٹی سے خائف ہے جہاں محبت اک جرم ہے اور اس جرم کی پاداش عورت جیسی صنف کے لیے بہت کڑی ہے۔ اس کے اندر کا خوف یوں بول اٹھتا ہے کہ:

کہیں سنہرا وصل نہ دمکے
ٹوہ میں رہتی ہے ساری دنیا
بول نہ اٹھیں دشمن گھنگھرو
بات کھلے گی مجھ کو مت چھو

(ایضاً، ص ۲۸)

'بیت چلی اُداس شام' (ص ۵۸)، 'بیٹھا ہے میرے سامنے وہ' (ص ۵۹)، 'جب نیند بھری ہو آنکھوں میں' (ص ٦٨)، 'دل کی بات' (ص ٦٧) سب رومانی طرزِ احساس کی حامل نظمیں ہیں۔

یہاں ہماری ملاقات ایک ایسی شاعرہ سے ہوتی ہے جو محبوب کی یاد میں، دعا کی شنوائی نہ ہونے پر،

امیدوں کے بَر نہ آنے پر اور ٹھہرے ٹھہرے لہجوں کی دھیمی دھیمی اور جان لیوا بازیافت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے آنسوؤں کو اپنے اندر گراتی نظر آتی ہے۔ نظم 'قطرہ قطرہ' دیکھئے:

لمحہ لمحہ رات گزرتی جاتی ہے
قطرہ قطرہ دل میں آنسو گرتے ہیں

(ایضاً، ص ۷۰)

'پتھر کی زبان' سے اپنے شعری سفر کی ابتدا کرنے والی فہمیدہ کے ہاں عورت جیسی صنف سے برتے گئے امتیاز، اس کی خواہشوں کے اظہار پر پابندی اور اس کے جذبوں پر زمانے کی طرف سے لگائے گئے قدغن کا واضح شعور موجود ہے۔

''The Second Sex'' میں سیمون دی بودا کے ہاں بھی اعتراف ہے کہ 'عورت'، 'عورت' کے طور پر پیدا نہیں ہوئی بلکہ تہذیبی سوچ اور رویے نے اُسے 'عورت' بنایا۔ ایک بے بس چیز اور زندگی میں ہر حوالے سے مرد کے مقابلے میں ثانوی حیثیت کی حامل عورت۔

سیمون کے نزدیک 'عورت' یا 'لڑکی' گڑیا کی مانند ہے۔ وہ گڑیا ہی سے کھیلنا پسند کرتی ہے کہ وہ بے جان ہے اور بلاشبہ لڑکی کا ایسا رویہ اپنی سوچ سے نہیں کسی اور کی سوچ کی مداخلت سے ترکیب پاتا ہے اور یہ سوچ مردانہ تغلب کی سوچ ہے جس کے اثرات رفتہ رفتہ عورت کی سائیکی پر گہرے نقوش ثبت کرتے جاتے ہیں اور وہ خود کو ویسا ہی سمجھنا شروع کر دیتی ہے جیسا تصور اسے اس کے بارے میں دیا جاتا ہے۔ سیمون لکھتی ہیں:۔

''بچی گڑیا کے ساتھ باتیں کر کے اپنے اور اس کے درمیان عینیت کی علامات دکھاتی ہے، لیکن یہ انسان چہرے والا چھوٹا سا مجسمہ ہوتا ہے۔۔۔ یا پھر چہرے کے بغیر گندم کی ایک بالی یا حتیٰ کہ لکڑی کا ایک ٹکڑا۔۔۔ جو نہایت تسکین دہ طور پر لڑکی کے ایک اس شئی اس فطری کھلونے لنگ کے متبادل کا کام دیتا ہے۔ بنیادی فرق یہ ہے کہ ایک طرف تو گڑیا سارے جسم کی نمائندہ ہے اور دوسری طرف یہ ایک مجہول (Passive) شے ہے اس حوالے سے بچی اپنی پوری شخصیت کو ایک طے شدہ بے جان چیز سے شناخت کرنے اور سمجھنے پر مائل ہوگی۔'' (۲)

فہمیدہ کے پہلے مجموعے 'پتھر کی زبان' میں موجود نظم 'گڑیا' کا موضوع بھی سیمون کے اسی خیال کی تائید ہے۔ یہ نظم مردانہ اجارہ داری پر مبنی معاشرے کی عورت سے روا رکھے گئے سلوک ہی کی عکاس ہے۔ 'گڑیا' گویا خاموشی اور پتھر کا استعارہ ہے جو وقت گویائی، سماعت اور بصارت سب حسوں سے محروم کر دی گئی ہے۔ لکھتی ہیں:۔

بٹوا جیسے ہونٹ ہیں اس کے / اور رخساروں پر سرخی ہے
نیلی آنکھیں کھولے بیٹھی تاک رہی ہے / جب جی چاہے کھیلو اس سے

المار ی میں بند کر دیا/ طاق پہ رکھوا سے سجا کر
اس کے ننھے لبوں پہ کوئی پیاس نہیں ہے
نیلی آنکھوں کی حیرت سے مت گھبراؤ
اسے لٹا دو/ پھر یہ سو جائے گی

(ایضاً،ص ۶۵)

'پتھر کی زبان' کی شاعری میں جن اندیشوں اور جن واہموں کا تذکرہ ہے۔ وہ واہمے اور اندیشے اور سب خوف اس لڑکی کے ہیں جس کی زبان کے لیے پتھر بنے رہنے کا حکم نامہ جاری ہے۔ اس حکم نامے کو ذہن میں رکھتے ہوئے 'محبت' جیسے جذبے کے اظہار اور اس اظہار کے نتیجے میں سامنے آنے والے ردِعمل سے فہمیدہ کو بخوبی آ گاہی ہے۔

اس لیے ڈری سہمی آواز میں نظم 'اندیشہ' میں کچھ یوں اپنے اندیشوں کا اظہار کرتی ہیں:۔

''ہاتھ میں بیتی بات کی لرزش/ لاکھ بچاؤں کھنکے برتن
گھٹی گھٹی مجبوری میری/ سب کے طعنے دل کی کھولن
محرومی سے اُجڑی صورت/ رسوائی سے میلا آنچل
نہیں نہیں میں روتی کب ہوں/ اس کا مجھ کو دھیان کہاں ہے
مجھ پر تم اُنگلی نہ اٹھاؤ/ یہ گیلی لڑکی کا دھواں ہے

(ایضاً،ص ۴۲، ۴۳)

فہمیدہ کے اس مجموعے میں اردو شاعری کی روایت ہی کی طرح محبت جیسے عظیم اور طاقت ور جذبے کی تائید بھی موجود ہے۔ محبت ان کے ہاں ایک لازمی اور فطری اَمر ہے۔ ایک نارمل انسان کی طرح خواب دیکھنا، اس کی تعبیر کا آرزومند رہنا، حسن کی تعریف کرنا اور عشق کے بغیر زندگی کو نامکمل سمجھنا ان کے نزدیک نارمل انسان کی ترجیحات ہیں مگر ایک لڑکی آنکھوں سے دیکھے جانے والے ان خوابوں اور اس کے دل میں مچلنے والے جذبوں کی راہ میں مردانہ تغلب کا حامل معاشرہ حائل ہے جو اس کی طرف ریشم سے بنائے جانے والے رشتوں کی استحکامیت کا خواہاں نہیں۔ فہمیدہ کو عورت کی سائیکی پر مسلط ان تمام پابندیوں کا احساس بھی ہے۔ اس لیے کسی قدر افسوس سے کہتی ہیں:۔

کچے دھاگے کا یہ نام سا اک رشتہ ہے
یہ فسوں کار رواجوں کا فقط دھوکا ہے
کون اس رات کے دامن کو پکڑ سکتا ہے
لاکھ چاہیں بھی پہ یہ رات گزر جائے گی
اور پھر میری تمنا کی یہ نورستہ کلی
اس حقیقت کی کڑی دھوپ نہ سہہ پائے گی

جھلملاتے ہیں جو احساس میں ننھے جگنو
وقت کی آنکھ میں رہ جائیں گے بن کے آنسو

(ایضاً،ص۲۰)

'پتھر کی زبان' میں 'رات' جیسے پہرے یوں والہانہ لگاؤ اور وابستگی کا اظہار اپنے اندر رومانویت سمیٹے ہوئے ہیں۔ مرد اور عورت کا تعلق ایک فطری عمل ہے۔ ہمارے ادب میں مرد مصنفین کے ہاں تو جنس کو موضوع بنایا جاتا رہا مگر عورت کے قلم سے اس موضوع پر لکھنا معیوب فعل گردانا گیا، فہمیدہ ریاض کی شاعری میں اس موضوع پر کھل کر اظہار کیا گیا ہے۔

ان کا شعری مجموعہ ''بدن دریدہ'' اپنے مزاج کے حوالے سے 'پتھر کی زبان' سے بہت مختلف ہے۔ اسے ادبی حلقے میں اس لیے تنقید کا نشانہ بنایا گیا کہ انہوں نے عورت ہوتے ہوئے 'جنس' جیسے جذبے کو ایک فطری ضرورت قرار دیا۔ عورت کے منہ سے عورت کی سائیکی اور فطرت کا سچا اظہار چونکہ فن پارے کو جانچنے کے مردانہ تغلب کی سوچ کے حامل اصولوں کے منافی تھا اس لیے اس کتاب پر کافی لے دے ہوئی۔

انہوں نے خود 'بدن دریدہ' کے پیش لفظ میں لکھا:۔

''آپ اسے پتھر کی زبان سے مختلف کتاب پائیں گے اس کے بعض موضوعات پر چند لوگوں کو بہت اعتراض ہے ان کے خیال میں یہ فحش ہیں یا چونکانے کے لیے لکھی گئی ہیں۔''(۳)

نسوانی تنقید کے اصولوں کے مطابق اگر ہم فہمیدہ کی 'بدن دریدہ' کا جائزہ لیں تو ہمیں وہ اپنی نسائیت سے شرماتی اور فطری ضرورتوں سے ہچکچاتی اور عورت کی بجائے اپنا تعارف بطور ایک Biological Structure کے کراتی ہیں جو تمام فطری ضرورتوں کا حامل ہے اور انہی فطری ضرورتوں میں ایک اہم ضرورتِ جنس بھی ہے۔

فہمیدہ کے ہاں 'دوئی' کی خواہش 'پتھر کی زبان' میں بھی ایک دھیمے پن سے موجود ہے۔ یہاں وہ اس وجود کی متلاشی ہیں جو اسے چھو کر مکمل کر دے۔ 'میری چنبیلی کی نرم خوشبو' نظم دیکھئے:۔

میری چنبیلی کی نرم خوشبو
ہوا کے دھارے پہ بہہ رہی ہے
ہوا کے ہاتھوں میں کھیلتی ہے
ترا بدن ڈھونڈنے چلی ہے
وہ رات کی گہر میں چھپی ہے
سیاہ خنکی میں رچ رہی ہے

گھنیرے پتوں میں سرسراتی
ترا بدن ڈھونڈنے چلی

(ایضاً،ص۲۳۔۲۴)

فاروق عثمان نے ان کی شاعری کے فکری ارتقاء کے بارے میں لکھا ہے کہ:۔

''فہمیدہ ریاض کی شاعری اگر جذبات اور احساسات کے اظہار کی منزل پر ہی رُک جاتی تو یقیناً وہ ایک ٹین ایج گرل کی شاعری سے مختلف نہ ہوتی۔ جذبہ ان کے ہاں لاشعور میں شعور کی کرن بن کر پھوٹتا ہے اور جب وہ اسے پورے زمانی اور فکری تسلسل کے پس منظر میں قبول کرتی ہیں تو جنس مرکزی حیثیت اختیار کر جاتی ہے۔''(۴)

فہمیدہ کے ہاں جنس کو موضوع بنانا نہ تو ہرگز سستی لذتیت کا حامل ہے اور نہ ہی اس کا مقصد محض چونکانا ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسا قوی اور توانا جذبہ ہے جو ایک مثبت جواز رکھتا ہے۔فریقِ ثانی کی ضرورت کا احساس بہت مثبت انداز میں فہمیدہ کے ہاں موجود ہے۔ یہ نہ تو ماورائی ہے اور نہ ہی منفیت کا حامل بلکہ اس کے برعکس انسانی فطرت کے قریب ہے۔

فہمیدہ اس جذبے کی کڑیاں تاریخ کے ساتھ ملا کر اسے اور بھی حقیقی اور فطری زندگی کے قریب تر لے آتی ہیں۔نظم 'پچھتاوا' میں 'آدم اور حوا' کے درمیان تعلق کی وضاحت یوں کرتی ہیں:۔

روایتوں میں حکایتوں میں
ازل سے تاریخ کہہ رہی ہے
کہ آدمی کی جبیں ہمیشہ ندامتوں سے غرق رہی ہے
وہ وقت جس سے کہ آدمی نے
خدا کی جنت میں شجرِ ممنوعہ چکھ لیا
اور سرکشی کی
تبھی سے اس پھل کا یہ کسیلا سا ذائقہ
آدمی کے کام و دہن میں ہر پھر کے آ رہا ہے
مگر ندامت کے تلخ سے ذائقے سے پہلے
گنہ کی بے پناہ لذت

(ایضاً،ص۳۰)

نظم 'رجم' کا موضوع بھی جنسی جبلت کی کڑیاں تاریخ کے ساتھ ملاتا ہے۔اس نظم میں ابن عمر سے روایت کیے گئے ایک واقعے کا تذکرہ ہے جس میں بدکاری کرنے والے جوڑے کو سنگسار کرنے کا حکم دیا گیا تو مرد عورت پر

جھک جھک کر اسے پتھروں سے بچاتا ہے۔ فہمیدہ گویا جنسی جبلت کو تاریخیت کے ساتھ جوڑ کر اس آرزو کو فطرت کی دین قرار دیتی ہیں۔

فہمیدہ کے ہاں عورت کی زندگی میں مرد کی جو اہمیت ہے وہ اپنے اس رویے میں سیمون دی بودا کی ہم خیال نظر آتی ہیں ان کے ہاں بھی فریقِ ثانی جنسی تجربے کی تکمیلیت میں برابر کا شریک ہے۔ فہمیدہ کے ہاں فریقِ ثانی کی اہمیت مثبت انداز میں تسلیم کرنے کا رویہ بہت اہم ہے۔

فہمیدہ کے ہاں عورت کے متنوع روپ موجود ہیں۔ عورت کا ایک تجربہ جس سے مرد کبھی آشنا نہیں ہو سکتا وہ ماں بننے کا تجربہ ہے۔ ماں بننے کی کیفیت و سرشاری سے مرد کی آگاہی کبھی بھی اس سطح پر نہیں ہو سکتی جس سطح پر عورت اس سے آشنا ہوتی ہے۔ جنسی فعل کے بعد مرد اپنی تمام تر جبلتیں عورت کو سونپ کر فارغ ہو جاتا ہے مگر عورت نو ماہ تک نہ صرف اس عمل کے output کی محافظت کرتی ہے بلکہ اسے دل و جاں سے سینچتی ہے۔

ماں بننے کا یہ تجربہ فہمیدہ کے ہاں موجود عورت کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ اس اعزاز کے ملنے سے اسے جو خوشی اور مسرت حاصل ہوتی ہے اس کا ادراک صرف نسائی حسیت اور نسائی شعور ہی کر سکتا ہے۔ نظم 'لاؤ ہاتھ اپنا لاؤ ذرا' میں لکھتی ہیں:۔

''سب مقدس کتابیں جو نازل ہوئیں
سب پیغمبر جواب تک اُتارے گئے
سب فرشتے کہ ہیں بادلوں سے پرے
رنگ، سنگیت سُر، پھول کلیاں شہر
صبحدم پیڑ کی جھومتی ڈالیاں
اُن کے مفہوم جو بھی بتائے گئے
خاک پر بسنے والے بشر کو مسرت کو جتنے بھی
نغمے سنائے گئے
سب رشی سب منیٰ انبیاء اولیاء
خیر کے دیوتا حسن نیکی خدا
آج سب پر مجھے اعتبار آ گیا، اعتبار آ گیا

(ایضاً، ص ۱۲۷)

فہمیدہ کی شاعری میں عورت اپنی ذات و شخصیت کی تمام نفسیاتی اور حیاتیاتی پرتیں پوری خود اعتمادی سے کھولتی نظر آتی ہیں۔ عورت کے مختلف رویوں کے اظہار میں وہ ایک فرد ہیں۔ ایک ایسا جیتا جاگتا فرد جس کی خواہشات، جذبات اور جبلتیں عین فطرت کے مطابق ہیں اور فہمیدہ نے ایک سچے تخلیق کار کی طرح انہیں جان بوجھ

کر پوشیدہ و مخفی رکھنے کی کوشش بھی نہیں کی۔

ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:۔

''فہمیدہ ریاض کی نظموں میں عورت کے حوالے سے جنسی فعل کی جو تصویر اُبھرتی ہے وہ واضح بھی ہے اور sensour بھی، لیکن اس میں فحاشی اور ابتذال نہیں۔''**(۵)**

فہمیدہ ریاض عورت اور مرد کے رشتے کو ایک زندہ حقیقت سمجھتی ہیں مگر ان کی نظر سے اس رشتے کی استواری میں شامل مردانہ منافقت بھی مخفی نہیں ان کے نزدیک عورت صرف محبت کرنا جانتی ہے۔ وہ مرد سے اپنے تمام رشتے استوار کرتے ہوئے اسے ایک زندہ جود تسلیم کرتی ہے جبکہ مرد اسے ایک شے ہی سمجھتا ہے۔

مردانہ اجارہ داری پر مبنی معاشرے میں مرد کی بے اعتنائی کے سلوک کی عکاسی کی بہترین نظم 'کب تک' ہے جہاں عورت اور مرد کے لیے جنسی فعل دو مختلف طرح کے احساس کا حامل ہے۔ یہاں عورت کو مرد کی سطح پر لا کر سوچنے سمجھنے اور پرکھنے کی بجائے مردانہ تغلب ہی کی غمازی کی گئی ہے۔

قاضی قیصر السلام 'فلسفے کے جدید نظریات' میں 'نسائیت' کے پس منظر میں مرد اور عورت کی سماجی حقیقتوں اور نفسیاتی و حیاتیاتی امتیازات کچھ یوں روشنی ڈالتے ہیں:۔

''تخلیق کے عمل میں مرد کی موجودگی محض لمحاتی موجودگی کی غماز ہے جب کہ عورت کی موجودگی کا دورانیہ طویل ترین ہے۔ نسائی تحریک سے وابستہ خواتین کا کہنا ہے کہ 'جنسی تلذز' کا یہ موجودہ لمحہ ہر چند کہ مرد اور عورت دونوں فریقین کے لیے لمحاتی طور پر یکساں اور مساوی نوعیت کی چیز ضرور ہے تاہم اس تلذز کے عوض بھگتان کا دورانیہ عورت کے لیے 'استقرارِ حمل' سے لے کر 'وضع حمل' تک اور وضع حمل سے لے کر 'انسانی بچہ' کی شیر خوارگی کی عمر اور اس کی پرورش و پرداخت کے طویل ترین دورانیے تک، استقلال واقعی اور صبر و تحمل کی ایک لاثانی مثال ہے جس کا کوئی بدل ممکن نہیں اور یہ صورتِ حال عورت کا ذمہ دارانہ حیثیت پر دلالت کرتی ہے۔''**(۶)**

'آدمی کی زندگی' میں موجود طویل نظم 'زوجین' عورت اور مرد کے سماجی، معاشرتی اور تہذیبی تضاد کی عمدہ مثال ہے۔ یہاں ایک ایسی عورت موجود ہے جو مرد کے لیے ایک گھر ہے جس میں وہ جب چاہتا ہے۔ پناہ ڈھونڈ لیتا ہے مگر جب اسے نظر انداز کرتا ہے تو وہ خالی مکان کی صورت اجاڑ اور ویران رہ جاتی ہے اور اس کی دراڑوں میں خاموشی کے سانپ بسیرا کرنا شروع کر دیتے ہیں گویا مرد اور عورت کے رشتے کی استحکامیت عورت کی ذات کے ادراک میں مضمر ہے اور جس سے آگاہی مرد بہت کم رکھتا ہے۔

فہمیدہ کے خیال میں عورت مرد کے لیے ایک جنسی وجود ہی رہتی ہے اس کا عورت سے لمحاتی پیار اور تعلق سپیدۂ سحری تک ایک خواب کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

فہمیدہ کی شاعری میں موجود عورت اپنی ذات کے پوشیدہ براعظموں کی دریافت چاہتی ہے۔ ان کی شاعری میں 'عورت' کے وجود کی صحیح شناخت کا مطالبہ نہایت دھیمے اور موثر انداز میں موجود ہے اور اس سلسلے میں کہیں بھی انہوں نے اپنی ''نسائیت'' یا 'عورت' ہونے کو رکاوٹ محسوس نہیں کیا۔ سادہ عورت کا صحیح سماجی، معاشرتی اور سماجی اثبات چاہتی ہیں۔ نظم 'ایک لڑکی' میں اس کا اظہار کچھ یوں کرتی ہیں:۔

''سنگدل رواجوں کی/ یہ عمارت کہنہ/ اپنے آپ پر نادم
اپنے بوجھ سے لرزاں/ جس کا ذرہ ذرہ ہے خود شکستگی ساماں
سب خمیدہ دیواریں/ سب جھکی ہوئی کڑیاں
سنگدل رواجوں کے/ خستہ حال زنداں میں
اک صدائے مستانہ/ ایک رقص رندانہ
یہ عمارت کہنہ ٹوٹ بھی تو سکتی ہے
یہ اسیر شہزادی چھوٹ بھی تو سکتی ہے

(''میں مٹی کی مورت ہوں''، ص ۲۳۲)

مردانہ سماج میں عورت 'جبر و خوف' کا شکار ہو کر 'واہموں کی پروردہ' اور 'مصلحت سے ہم بستر' ہونے کی تصویر بنی رہتی ہے اور مردانہ تغلب کا حامل معاشرہ اُسے 'پتھر کی زبان' دے کر اُسے مٹی کی مانند ہی گھلا گھلا کر پگھلانے کا عادی بنالیتا ہے اور وہ اسی پر اکتفا کر لیتی ہے۔ عورت کی نفسیات پر مردانہ سوچ کی گرفت اتنی گہری ہے کہ وہ خود کو ''Second Sex'' ہی سمجھ لیتی ہے۔ مرد کے مقابلے میں انتہائی کمزور، کمتر اور بے بس، وہ مردانہ سوچ کے مطابق شرم، حیا اور تقدیس کا بیڑا اسے کندھوں پر اُٹھا کر مرد کی ذات کو اس سے مبرا تصور کر لیتی ہے۔ مگر فہمیدہ جیسی حساس اور باشعور شاعرہ اس مردانہ رویے کے خلاف کھل کر بولتی ہیں۔

'بدن دریدہ' میں موجود نظم 'اقلیما' بھی عورت کو فتنہ اور باعثِ شر سمجھنے کے خلاف شدید ردِعمل کا اظہار ہے۔ وہ اس نظم میں خدا سے مطالبہ کرتی ہیں کہ کبھی ''اقلیما'' سے بھی ہم کلام ہوا جائے اور اس کے ساتھ برتے جانے والے سلوک کی وضاحت کی جائے۔ آج کی عورت کے شعورِ ذات اور اس کی ذات کے ادراک کے ساتھ ساتھ تاریخ میں موجود عورت کے وجود کا بھی صحیح اور مثبت جواز چاہتی ہیں۔

فہمیدہ کی شاعری نہ تو صرف ایک عورت کی شاعری ہے اور نہ ہی اس کی مخاطب صرف عورت ہے وہ جس طرح معاشرے میں عورت کو ایک فرد کے طور پر سمجھے جانے کی خواہاں ہیں وہاں وہ اپنی شاعری میں بھی ایک ایسی سچی تخلیق کار کے طور پر نظر آتی ہیں جس کی نگاہ ہر موضوع کا احاطہ کر لینے پر قدرت رکھتی ہے۔ ان کے ہاں عصری شعور کی موجودگی بھی اس بات کی گواہ ہے کہ وہ عورت یا مرد کی تخصیص کے بغیر ایک حساس تخلیق کار ہیں جو معاشرے کا ایک جیتا جاگتا اور فعال فرد ہیں۔

اپنے شعری مجموعے 'دھوپ' کے دیباچے میں لکھتی ہیں:۔

''سماجی شعور اس جھنجھوڑ دینے والی آگہی کا نام ہے جو اس کی ذات کے دُکھ اور سُکھ کا ناتہ بڑے بڑے اسٹوروں سے پولیس تھانوں سے اسمبلی کی عمارتوں سے اور بھرتی کے دفاتر سے واضح کر دیتی ہے جیسے تاریک کمرے سے اچانک روشنی میں آجائیں اور تھوڑی دیر بعد۔۔۔۔دُور دُور تک سب کچھ صاف نظر آنے لگے۔''(۷)

نسائی حسیت کے ساتھ ساتھ فہمیدہ کی شاعری میں گہرے عصری شعور کے اظہار نے انہیں اذیت ناک خمیازہ بھگتنے پر مجبور کیا۔ضیاء الحق کے دور میں فہمیدہ نے ایک رسالہ 'آزاد' کراچی سے نکالا۔اس رسالے پر عدالتی مقدمے چلائے گئے اور ان پر عرصہ حیات اس قدر تنگ ہونا شروع ہوا کہ انہیں سزائے موت دیئے جانے کے مطالبات کیے جانے لگے۔فہمیدہ نے ہندوستان میں اپنے بچوں کے ہمراہ جلاوطنی کے سات سال گزارے۔ملک میں جمہوریت کے لوٹ آنے کے بعد فہمیدہ بھی پاکستان واپس آگئیں۔

سچ بولنے اور حق بات کہنے کی پاداش میں جلاوطن کر دیئے جانے والی تخلیق کار کی نظم '۲۳/ مارچ ۱۹۷۳ء' بھی گہرے عصری شعور کی ترجمان ہے۔اس نظم کا محرک راولپنڈی میں حزبِ اختلاف کے جلسے پر چار گھنٹے تک ہونے والی مسلسل فائرنگ تھی۔یہ نظم ملکی انتشار وافراتفری اور ہماری سیاسی ریشہ دوانیوں کا پردہ بہت عمدگی سے چاک کرتی ہے۔

فہمیدہ کا شعری مجموعہ 'دھوپ' انہیں ایک گرہستن کی بجائے ایک پڑھی لکھی، باشعور، تہذیب یافتہ، نڈر اور بے باک تخلیق کار کے طور پر متعارف کرواتا ہے۔اس مجموعے کی بیشتر نظمیں مارشل لاء کے گھٹن زدہ نظام کے خلاف پُرزور احتجاج ہیں۔

ان کے شعری مجموعے ''کیا تم پورا چاند دیکھو گے'' کی نظمیں ''دوسرا باب''، ''چوتھا باب'' اور ''پانچواں باب'' اور ''ہم رکاب'' میں شامل نظم ''مغرور'' فہمیدہ کے عمیق سیاسی شعور کی ترجمان ہیں۔ان تمام نظموں کے موضوعات عورت ہونے کے باوجود ان کی بے باکی، بے خوفی اور ایک سچی شاعرہ ہونے کے فرض کی تکمیلیت پر دلالت کرتے ہیں، ''فوج کے بوٹے تلے'' گھٹن زدہ عوام کی عکاسی یہ نظمیں نہایت خوبی سے کرتی ہیں۔

فہمیدہ مرد کی تنگ نظر پر مبنی معاشرے میں اپنی ''نسوانیت'' یا ''عورت'' ہونے پر شرم محسوس کرنے یا ہچکچانے کی بجائے اس پر فخر کرتی ہیں۔عورت کے ہر روپ کا اظہار، اس کے ہر جذبے کا بیاں اور اس کی ہر خواہش کا تذکرہ ان کی شاعری میں موجود ہے۔

فہمیدہ کے ہاں موجود عورت کے کئی چہرے ہیں وہ ''سنگیت کے دائرے بناتی چال'' کی حامل ''سندر ناری'' بھی ہے جو ہنستے بالک کو گود میں بھرے جلدی جلدی گھر کے کام نبٹاتی ہوئی گرہستن ہے۔اس کا ایک روپ ''ماں'' کا بھی ہے جو اپنے بچے کے لیے دنیا جہاں کا سکون چاہتی ہے۔ان کی شاعری میں جلوہ گر عورت ایک ''محبوبہ'' کا دل بھی رکھتی ہے جو اسے چاہنے اور چاہے جانے کی آرزو میں سرشار رکھتا ہے۔ان کے ہاں موجود عورت

کا چہرہ محبت، طمانیت اور سرخوشی کی جگمگاہٹ چاہتا ہے۔عورت اور مرد کے تعلق میں ''جنسی تعلق'' کے علاوہ بھی بہت سی نوعیت کے تعلق ہوتے ہیں جنہیں صرف عورت ہی محسوس کر سکتی ہے۔فہمیدہ کے نزدیک ''عورت'' جیسی صنف ''جنسی تعلق'' کے علاوہ بھی بہت سے خوبصورت، احساسات و جذبات سے بھر پور تعلقات کی استواری کی خواہش مند ہوتی ہے۔اس کے اندر یہ آرزو شدت سے پنپتی ہے کہ وہ مرد کے ساتھ اپنے دُکھ سکھ بانٹے، اپنے جیون ساتھی کے ہر غم اور دُکھ میں اس کے ساتھ دل و جان سے شریک ہو مگر اس کی یہ تمنا تشنۂ تکمیل ہی رہتی ہے کہ مرد اس کے دُکھوں کا مداوا کرے اور وہ اس کے جسم کے علاوہ اس کی روح تک بھی شناسائی حاصل کرے۔

فہمیدہ کے ہاں جہاں عملی زندگی میں مرد کو ایک مثبت مقام دینے اور اس کی اہمیت اور حیثیت کے صحیح ادراک کا رویہ اہم ہے۔ وہاں عورت کے فرائض اور ذمہ داریاں بھی ان کی نظر سے پوشیدہ نہیں۔ پدری نظام پر قائم معاشرے کی ناہمواریوں کا بیان ان کی شاعری کو ایک قوی رجحان کی شکل دیتا ہے۔عورت کے ساتھ جنسی امتیاز سے زیادہ صنفی امتیاز کا رویہ فہمیدہ کو مردانہ معاشرے کے خلاف قدم اٹھانے پر مجبور کرتا ہے۔ان کی نظم ''نیناعزیز'' مردانہ تغلب پر مبنی سماج کے عورت سے برتے گئے غیر مساویانہ سلوک کی تصویر ایک سچے انداز میں پیش کرتی ہے:۔

مگر آہ اس میں نئی بات کیا ہے
وہ عورت تھی ہم جنس میں عورتوں کی
سدا جس پہ چابک برستے رہتے ہیں
جو ہر دور میں سر بدیدہ مسانوں میں لائی گئی ہے
کبھی بھینٹ بن کر پتی ورتا کی چتا پر چڑھائی گئی ہے
کبھی ''ساحرہ'' کا لقب دے کے زندہ جلائی گئی ہے

(ایضاً،ص۱۳۳)

فہمیدہ ریاض اس بات پر ایمان رکھتی ہیں کہ عورت پیدائشی ڈری سہمی مغلوب محکوم اور ثانوی یا دوجی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ قدیم تمدنی وتہذیبی سوچ اسے ایسی عورت بناتی ہے۔نظم ''حاشیہ'' میں بھی یہ اعتراف ہے:۔

کرو جب رقم زرفشاں
اپنے اعلیٰ رواجوں کے اوصاف کی
کہ لیٹی ہوئی ہیں وہاں باحیا مشرقی عورتیں
جن کو چشمِ فلک نے نہ دیکھا کبھی
وہاں درج ہے ان کے جسموں پہ خود ان کے ہاتھوں سے
ان کی حیا کی کہانی
تسلسل سے اب تک لکھی جا رہی ہے

بہت قابلِ رحم یہ داستاں
ہے تمہارے تمدن کا وہ حاشیہ
کہ اوجھل رہا سب کی نظروں سے اب تک
اب اتنا بتادو
کہ تم اس سے نظریں چراؤ گے کب تک

(ایضاً،ص۱۲۰۔۱۲۱)

فہمیدہ اپنی شاعری میں جس عورت کو آئیڈیلائز کرتی ہیں وہ نسوانیت یا عورت ہونے سے انکاری نہیں بلکہ وہ اپنی تمام فطری آرزوؤں، محبت، جذبوں اور خواہشات سے بھرپور فرد ہے، وہ خود کو صرف قبیلے کی نسلوں کو آگے بڑھانے کا ''آلہ'' سمجھ لینے کی بجائے اپنی ذہانت، قابلیت، اہلیت اور آزاد فرد ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ وہ عورت کے بارے میں صدیوں سے ترتیب دیئے جانے والے غلط تصورات کو رَد کرتے ہوئے اسے بحیثیت فرد، وہ اعتماد اور تیقن دیئے جانے کی خواہاں ہے، جس سے پدرسری نے اُسے ہمیشہ ہی محروم رکھا۔

فہمیدہ کی اسی کاوش اور سعی پیہم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ڈاکٹر سلیم اختر نے ''میں مٹی کی مورت ہوں'' کے فلیپ پر لکھا ہے کہ:۔

''پاکستانی مردوں کے تنگ نظر معاشرہ میں فہمیدہ ریاض اپنی نسوانیت سے خوف زدہ ہونے کے برعکس اسی کو اپنا سب سے بڑا ہتھیار بنا کر اپنی شرائط پر زندگی بسر کر رہی ہے جو کہ بذاتِ خود بہت بڑا اجہاد ہے۔''(۸)

حوالہ جات

۱۔ نگہت سلیم، ''ادبیات، خواتین کا عالمی ادب''، مرتبین (کشور ناہید، خالدہ حسین، آصف فرخی)، اکادمی ادبیات پاکستان، سیکٹر ایچ H-8/I، اسلام آباد، اشاعت ۲۰۰۳ء، ص۱۴

۲۔ سیمون دی بودا (The Second Sex)، مترجم، یاسر جواد، فکشن ہاؤس، مزنگ روڈ، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص۳۴۳

۳۔ فہمیدہ ریاض، ''میں مٹی کی مورت ہوں''، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص۹۱

۴۔ فاروق عثمان، ''نکاتِ نظر''، بیکن بکس، ملتان، بار اول، ۱۹۹۸ء، ص۱۱۴

۵۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، ''اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ''، انیسواں ایڈیشن، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص۶۰۷

۶۔ قاضی قیصر الاسلام، ''فلسفے کے جدید نظریات''، اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص۵۹۶

۷۔ فہمیدہ ریاض، ''میں مٹی کی مورت ہوں''، ص۲۱۹

۸۔ ایضاً، فلیپ